معیشتِ اسلام ــــ فکر و نظام

جناب عبدالمجیب صاحب

(۳)

۶ ۔ اسلامی نظامِ معیشت کے نفاذ کے لیے عملی تدابیر

اسلام کے معاشی نظام کے عملی نفاذ کی مختلف تدابیر پر غور کرنے سے پہلے چند بدیہی حقائق کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

اوّلاً، یہ کہ اسلام کے معاشی احکام چونکہ محض معاشیت کے مسائل نہیں بلکہ زندگی کے مجموعی نظام کا ایک جزء ہیں اور درحقیقت اسلام میں معاشیات ایک مخصوص دینی، اخلاقی و روحانی دستور العمل کے تابع ہیں اس لیے اسلام کا معاشی نظام قائم کرنے وقت ملک کا پورا نظام (انفرادی و اجتماعی، سیاسی و معاشرتی اور دینی و دنیوی) اسلام کے مجموعی اصولوں پر استوار کرنا لازمی ہوگا۔ اسلامی نظام کے مختلف شعبوں کے درمیان ہم آہنگی ضروری ہے، ورنہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کسی چیز کو نافذ کرنا اور کسی کو نہ کرنا، یا کسی کو مقدم اور کسی کو مؤخر رکھنا مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔

ثانیاً یہ کہ اسلام کی پوری تعلیمات میں اوّل تا آخر حکمت، ترتیب اور تدریج کا خیال رکھا گیا ہے۔ حضورِ اکرمؐ کے زمانہ میں ہی تمام احکامات و قوانین نہ تو ایک دن میں نازل ہوئے اور نہ وہ ایک ہی روز میں نافذ کر دیئے گئے۔ دوسرے احکام کی طرح اسلامی قوانینِ معیشت کو بھی ترتیب کے ساتھ کئی مدارج میں عملی جامہ پہنایا گیا تھا۔ ایسی حکمتِ عملی کسی بھی قائم شدہ نظام کی تبدیلی کے لیے ضروری ہے، ورنہ ملک کا سماجی و معاشی ڈھانچہ تہس نہس ہو کر رہ جاتا ہے اور قوم کو اس کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ فوری تبدیلی اکھاڑ پچھاڑ کے ذریعہ ہی آسکتی ہے جس کے بعد اس بات کا قطعی خطرہ رہتا ہے کہ

آمریت مسلط کردی جائے اور پیدائش دولت اور تقسیم دولت کے سارے ذرائع حکومت کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔ اس ترقی کا سبب ظاہر ہے کہ انسان کو جب حیوان کی سطح پر رکھ کر اس سے بے تحاشا کام لیا جاتا ہے تو اس سے قدر زائد کی بہت بڑی مقدار حکومت کی تحویل میں چلی جاتی ہے جسے صنعتی ترقی کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ تجزیہ بالکل آسان اور سادہ ہے۔ مگر انسان کو اس طرح حیوان بنانے کے اخلاقی اور روحانی نقصانات کے صحیح اندازے کے لیے ایک طویل مدت درکار ہے۔ انسان کو اس اشتراکی تجربے سے جو اخلاقی نقصانات پہنچیں گے ان کی صحیح نوعیت عرصۂ دراز کے بعد ہی سامنے آئے گی اور طویل اور صبر آزما مراحل سے گزر کر ہی انسان اس بات کا فیصلہ کر سکے گا کہ اس نے اس تجربے میں کیا پایا اور کیا کھویا ہے۔ انسان کے پاس وحی و الہام ہی ایک قابلِ اعتماد ذریعہ ہے جس کی مدد سے وہ کسی فعل کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کا اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہے اور اسے بربادی سے بچنے کے لیے بار بار بربادی کے مراحل سے گزرنا نہیں پڑتا۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے وحی کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ انسانی تجربات کی کفایت ہے IT IS AN ECONOMY OF HUMAN EXPERIENCE۔ یعنی جس نتیجے پر انسان لاکھوں ٹھوکریں کھا کر بعد از خرابیٔ بسیار پہنچتا ہے قادرِ مطلق انسان کو اس کے متعلق پہلے قدم پر ہی آگاہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست جس کا دستور قرآن و سنت کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے اس میں انسان بربادیوں کے ان روح فرسا تجربات سے نہیں گزرتا بلکہ اپنی قوتوں کو وحی و الہام کی روشنی میں تعمیری کاموں پر لگاتا ہے اور دنیوی اور اُخروی فلاح حاصل کرتا ہے۔

تصحیح

تفہیم القرآن جلد اوّل اور جلد دوم میں حسبِ ذیل مقامات کی تصحیح کر لی جائے:

جلد اوّل: صفحہ ۴۰۶ سطر ۸ ۔ "اور اس کے رسولوں پر" کے بجائے "اور اس کے رسول پر"

جلد دوم: صفحہ ۲۱۳ سطر ۱۲ "اور اس کے رسول کی" کے بجائے "اور اللہ اور اس کے رسول کی"

اس تمہید کے بعد اب مختصراً وہ تجاویز و تدابیر شعبہ وار پیشِ خدمت ہیں جن کو بروئے کار لا کر موجودہ ظالمانہ معاشی نظام کی جگہ اسلامی نظامِ معیشت قائم و نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے عملی نفاذ کی تکمیل تک ہر شعبہ کی انتظامیہ کے اوپر ماہرین کے الگ الگ کمیشن مقرر کیے جائیں جو انتظامیہ کی رہنمائی و رہبری کا کام انجام دیتے رہیں۔

(الف) شعبۂ زراعت

(۱) تمام زمینداریوں اور جاگیرداریوں کی تحقیق کی جائے اور ناجائز طریقوں سے عطا کردہ یا حاصل کردہ زمین بغیر کسی معاوضہ کے واپس لے لی جائیں۔

(۲) جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی زرعی زمین اگر مالکانِ زمین کے پاس تین سال سے زیادہ غیر کاشت شدہ پائی جائیں تو ان پر ایسی پابندیاں عائد کی جائیں جن سے وہ زمین کو زیرِ استعمال لانے پر مجبور ہو جائیں۔ البتہ یہ اصول ان کم حیثیت مالکانِ زمین پر عائد نہ کیا جائے جو کسی معقول وجہ سے کاشت نہ کر سکے ہوں مثلاً کوئی غریب بیوہ جو کسی مناسب آدمی کے نہ ملنے کی وجہ سے اپنی زمین زیرِ کاشت نہ لا سکی ہو، یا اسی طرح کی کوئی دوسری غیر معمولی وجوہات۔

(۳) تمام ضبط شدہ زرعی زمینوں کو نہایت آسان شرائط و اقساط پر ایسے کسانوں اور کاشتکاروں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے جن کے پاس پہلے سے کوئی زمین موجود نہ ہو یا گزارے کی حد سے کم زمین ہو، اور جو خود ان زمینوں پر کاشت کریں اور خود کفیل بن جائیں۔

(۴) مزارعت کے متعلق موجودہ حالات و قوانین پر مکمل نظرِ ثانی کی جائے تاکہ ان کو شریعت کے مطابق منصفانہ بنایا جائے۔ اس طرح زمینداری کے ظلم و ستم اور فتنہ و فساد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جائے۔ پھر زرعی مزدوروں کے بھی شرائطِ ملازمت، کام کے طریقے و ماحول اور اوقاتِ کار کی پوری طرح اصلاح کی جائے۔

(۵) امدادِ باہمی کی بنیاد پر تنظیم بنانے والے کم حیثیت افراد کی عملاً ہمت افزائی کی جائے۔ جو غیر مملوکہ زمین بنجر پڑی ہوئی ہو اس کو امدادِ باہمی کی انجمنوں کے ذریعہ قابلِ کاشت بنایا جائے۔

(۶) ملکی خوراک کی پیداوار میں کمی کے بہانے جو ناجائز و غیر اسلامی ضبطِ ولادت کی اسکیم جاری ہے اس کو یکسر ختم کر کے متبادل صورت اختیار کی جائے۔ یعنی کہ ضبطِ ولادت کی اسکیم پر خرچ ہونے والے کروڑوں روپے زرعی پیداوار بڑھانے کی گوناگوں اسکیموں پر صرف کیے جائیں۔ اس کے لیے کاشت و زراعت کے جدید طریقے اور تکنیک سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ٹریکٹر، دیگر آلات و اوزار اور کھاد وغیرہ کا معقول انتظام کیا جائے، آبپاشی کے نظام کو بہتر بنایا جائے، سیم و تھور کا سدِباب کیا جائے۔ اور فصل کو کیڑے مکوڑوں اور دوسری خرابیوں سے محفوظ رکھا جائے۔ اس طرح زرعی پیداآوری میں اضافہ اس حد تک کیا جائے کہ ملک نہ صرف یہ کہ خوراک میں خود کفیل بن جائے بلکہ وہ برآمدات کے ذریعہ زرِ مبادلہ بھی کما سکے۔

(۷) آئندہ جن نئی زمینوں کو حکومت بیراجوں کے ذریعے قابلِ کاشت بنائے، ان کو نہ تو نیلام کے ذریعہ فروخت کیا جائے اور نہ وہ سرکاری ملازمین اور با اثر افراد کو بطورِ عطیات بخش دی جائیں۔ ایسی تمام زمینوں کو آسان شرائط و اقساط پر عوام کے ہاتھ فروخت کر دینا چاہیے۔ اولیت ان کاشت کاروں کو دی جائے جن کے پاس اپنی کوئی زرعی زمین نہ ہو۔ اگر زمین پھر بھی بچ رہے تو ترجیح ان مالکانِ زمین کو دینا چاہیے جن کے پاس اقتصادی حد سے کم زمین پائی جائے۔ تیسرے درجہ پر ان افراد کو رکھا جائے جو پیشہ ور کاشت کار نہ ہونے کے باوجود کاشت کاری کو اپنا ذریعۂ معاش بنانا چاہتے ہوں۔ شعبۂ زراعت کے لیے یہ وہ آخری تجویز ہے جس کے ساتھ میدانِ زراعت میں آئے دن ہونے والے استحصالی کھیلوں کے امکانات تقریباً ختم ہو جاتے ہیں۔

(ب) شعبۂ صنعت و تجارت

(۱) ان تمام صنعت کاروں اور تاجروں کی دولت کا باقاعدہ احتساب کیا جائے جن کے پاس غیر معمولی نوعیت کا ارتکازِ دولت پایا جاتا ہے۔ ثبوت فراہم ہونے پر ان لوگوں سے وہ سب کچھ لے لیا جائے جو حرام و ناجائز ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو۔ اس طرح کی واپس لی ہوئی دولت کو سرکاری خزانہ / بیت المال میں جمع کر دینا چاہیے۔ بلاشبہ ایسی دولت کا بہترین مصرف کفالتِ عامہ ہی ہو سکتا ہے۔

(۲) صنعت و تجارت میں چند لوگوں کی ناجائز قائم کردہ اجارہ داریاں ختم کی جائیں اس لیے کہ

اجارہ داریوں کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ اشیاء کی مصنوعی قیمتیں مقرر کی جاتی ہیں بلکہ عوام کی کمر توڑ کر بے پناہ نفع سمیٹ لیا جاتا ہے۔ اس طرح کی من مانی حرکات کو روکنے کے لیے قوانین وضع کرنے کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کو امداد باہمی اور شراکت کی بنیاد پر صنعت و تجارت کے میدان میں داخل ہونے کی ہر ممکن سہولت بہم پہنچائی جائے۔ یہ وہ طریق کار ہے جس کی بدولت صنعت و تجارت میں جائز مسابقت فروغ پا سکے گی اور اجارہ داریاں آپ سے آپ مٹتی چلی جائیں گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کی معاشی ترقی کا فائدہ چند جیبوں میں جانے کے بجائے معاشرہ کے ایک ایک فرد تک پہنچ جائے گا۔ اس سلسلہ میں خاص طور پر گھریلو صنعتوں کی عملاً ہمت افزائی کی جانی چاہیے اور اس میدان میں نئے افراد کا خیر مقدم ہونا چاہیے۔

(۳) معتدل و آزاد معیشت کے لیے شراکت کی بنیاد پر نئی کمپنیوں کی تشکیل کے بارے میں یہ تحدید کی جا سکتی ہے کہ کسی بھی ایک خاندان سے کمپنی کے مؤسسین میں سے ایک تہائی سے زیادہ افراد اس کے ڈائرکٹر نہیں بن سکتے۔ کمپنی کے بقیہ ڈائرکٹر عام حصص یافتگان میں سے لیے جائیں۔ اس طریق کار سے نئے صنعتی و تجارتی اداروں میں صرف چند لوگوں کا تسلط قائم نہ ہو سکے گا بلکہ ان کی ملکیت معاشرہ کے زیادہ سے زیادہ افراد حاصل کر سکیں گے۔ بالفاظ دیگر ایسے نئے اداروں کے منافع میں عوام کی کثیر تعداد حصہ وار بنتی رہے گی۔ کمپنی کے قیام کے بعد بھی ڈائرکٹران کے آئندہ انتخابات پر ہر سال ایک تہائی کی قید برقرار رہے۔ اس معقول پابندی کے ساتھ ساتھ منیجنگ ایجنسیوں کے ہاتھوں عوامی سرمایہ کی موجودہ لوٹ کھسوٹ کے پیشِ نظر ملک میں منیجنگ ایجنسی سسٹم کو بالکلیہ ختم کر دیا جائے۔

(۴) موجودہ دور میں کمپنیوں کے حصص کی عام خرید و فروخت میں ایک بہت بڑی خرابی پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ کوئی بھی ایک فرد یا ایک خاندان جب چاہے کسی بھی کمپنی کے قابلِ فروخت تمام حصص اسٹاک ایکسچینج کے ذریعہ خرید سکتا ہے۔ اس عمل سے ایک طرف تو کسی بھی کمپنی کے سرمایہ کا بڑا حصہ شخصِ واحد کے کنٹرول میں آجاتا ہے اور دوسری طرف کمپنی کے حصص کی مصنوعی قلت پیدا کر کے اس کی قیمتوں میں زبردستی اضافہ پیدا کر دیا جاتا ہے۔ پھر جب حصص کی قیمت بڑھ جاتی ہے تو وہ شخص جو مارکیٹ سے تمام حصص سمیٹ کر لے گیا تھا انہیں فروخت کرنا شروع کر دیتا ہے اور اندھا دھند

منافع کماتا ہے۔ اگر پورے اسٹاک ایکسچینج کے کام کا جائزہ دیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سلسلہ لاانتہا ہی ہے۔ بعض مخصوص لوگ مستقلاً سرمایہ پر کنٹرول اور مصنوعی ذریعہ سے نفع اندوزی میں ماہر بن چکے ہیں۔ حصص کی خرید و فروخت کی اس قباحت کے پیش نظر یہ قانون بنایا جا سکتا ہے کہ مشترک کفالت کا ایک خاندان کسی بھی کمپنی کے حصص ایک خاص حد سے زیادہ حاصل نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر یہ حد کمپنی کے کل سرمایہ کی پانچ فیصدی ہو سکتی ہے۔

(۵) بڑے بڑے صنعتکار اور تاجر تجارتی بنکوں کے ڈائرکٹر بن کر بنک سے بڑے بڑے قرضے ناجائز طریقوں سے حاصل کرتے ہیں۔ اس خرابی کا سدباب کرنے کے لیے یہ پابندی عائد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ بنک کے وہ ڈائرکٹر صاحبان جو دوسرے صنعتی اداروں میں بھی ڈائرکٹر ہیں، آئندہ سے بنک کے ڈائرکٹر نہیں رہ سکتے۔ اس کے لیے وہ اپنے بنک کے حصص دوسروں کے ہاتھ فروخت کر کے سبکدوش ہو جائیں۔ اس طرح میدانِ صنعت و تجارت میں سرمایہ کاری اور بنکاری کا جو ناجائز گٹھ جوڑ پایا جاتا ہے وہ بہ آسانی دُور کیا جا سکتا ہے۔ تاہم کوئی فرد بنک کا ڈائرکٹر نہ ہوتے ہوئے دوسری کئی کمپنیوں کا ڈائرکٹر بن سکتا ہے۔

(۶) صنعتکاروں اور تاجروں کے لیے قرضوں کی میعاد اور زیادہ سے زیادہ رقم کی حد بھی مقرر کی جا سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی شخص یا خاندان ایک سال میں پانچ لاکھ یا دس لاکھ روپے سے زیادہ تجارتی بنک سے قرضہ حاصل نہ کرے۔ اس قسم کی شرط رکھنے سے چھوٹے صنعتکاروں اور تاجروں کو فائدہ پہنچ سکے گا اور بنک کے کریڈٹ ذرائع صرف چند بڑے بڑے کارخانوں یا اداروں تک ہی محدود نہ ہونے پائیں گے۔ چھوٹی اور گھریلو صنعتوں کے استحکام کے لیے اس قسم کی مالی اعانت بے انتہا ضروری بھی ہے اور مفید بھی۔

(۷) اسلامی شریعت کے مطابق تمام حرام و ناجائز اشیاء کی صنعت اور تجارت کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ صنعت و تجارت میں جو طریقے شریعت کی رُو سے حرام اور ناجائز ہیں ان پر بھی قانونی پابندی لگا دی جاتی ہے۔ شعبۂ صنعت و تجارت سے متعلق اس آخری مجوّزہ تدبیر

کے ذریعہ موجودہ دردناک معاشی حالات کا علاج تکمیل پذیر ہو جائے گا تاآنکہ میدانِ صنعت و تجارت معاشی ظلم و ستم سے پاک ہو جائے۔

(ج) شعبۂ محنت

(۱) محنت کاروں کی پانچ قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ سرکاری، زرعی، صنعتی، تجارتی اور نجی۔ اسی طرح تمام محنت کاروں کے مسائل بھی پانچ حصوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں یعنی نوعیت ملازمت (عارضی، آزمائشی، میعادی یا مستقل)، اوقاتِ کار، حالاتِ کار، اجرت اور معاشرتی ضمانت۔ ان بنیادی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے سب سے پہلے مروجہ ناقص قوانینِ محنت پر از سرِ نو نظرثانی کی جانی چاہیے تاکہ اس میں تمام پہلو سما سکیں۔ مثال کے طور پر موجودہ قوانین میں نجی ملازمین کی عظیم تعداد کو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس کا مداوا بہت ضروری ہے تاکہ نجی ملازمین کو بھی قانونی تحفظ حاصل ہو سکے۔

(۲) نوعیتِ ملازمت معقول اور منصفانہ ہونی چاہیے۔ مثال کے طور پر ملازمت کی آزمائشی مدت غیر ضروری طور پر طویل نہیں ہونی چاہیے۔ عام حالات میں یہ مدت تین ماہ کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔ اوقاتِ کار اور حالاتِ کار ایسے ہونے چاہییں کہ مزدور و ملازم اپنی صحت کو برقرار رکھ سکے۔ پھر یہ اس کو اتنی فرصت بھی دستیاب ہو کہ وہ اپنی ذاتی، خاندانی اور سماجی ضروریات کو بھی پورا کرنے کے قابل رہے۔ اجرت کے سلسلہ میں سب سے ضروری بات یہ ہے کہ اجرت یا معاوضہ کی کم سے کم حد مقرر کر دی جائے۔ اجرت کی یہ حد ایسی ہونی چاہیے کہ ایک اوسط گھرانے کی بنیادی ضروریات یعنی غذا، لباس، رہائش، علاج اور تعلیم پوری ہو سکیں۔ مثال کے طور پر موجودہ دور میں یہ حد دو سو روپے ہو سکتی ہے۔ بدلتے ہوئے حالات کے لحاظ سے کم سے کم حدِ اجرت میں بھی گاہے گاہے ترمیم کی جاتی رہنی چاہیے۔ معاشرتی ضمانت کے تحت ہر شخص کو بنیادی تحفظات دینے چاہییں۔ مثال کے طور پر اگر ڈیوٹی کے دوران کوئی حادثہ ہو جاتا ہے اور اس کی جان چلی جائے تو اس کے کنبے کو اس کی مالی تلافی ادا کر دی جائے۔ اسی طرح پیشہ ورانہ امراض یا جسمانی اعضاء کے مجروح ہونے پر علاج و تلافی کا انتظام ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ بڑھاپے کے لیے مناسب پنشن اسکیم بھی رائج کی جائے جو پراویڈنٹ فنڈ اسکیم کے ساتھ ساتھ

نافذ العمل رہے۔

(۳) محنت کاروں کے اندر اپنے کام میں بھرپور دلچسپی پیدا کرنے کے لیے ایک قانونِ ترغیبات بھی بنایا جاسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جس دولت کے پیدا کرنے میں ان کی محنت شامل ہے اس کے منافع میں بھی ان کو ایک حصّہ مل جائے۔ مثلاً نفع آور اداروں کے منافع کا ڈھائی فیصد حصہ اس کے ملازمین کے لیے بطور بونس مخصوص کیا جاسکتا ہے۔ مزید یہ کہ غیر معمولی صلاحیتوں کے مظاہروں اور کارناموں پر متعلقہ افراد کو انعامات سے نوازا جائے۔

(۴) اس بات کا بھی معقول انتظام کیا جانا چاہیے کہ ملازمتوں میں بے جا اقربا پروری نہ کی جاسکے۔ اگر کارخانوں اور دیگر اداروں میں تکنیکی آسامیاں ہوں تو اس کے لیے سند یافتہ یا تربیت یافتہ افراد ہی لیے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ایسی مخصوص آسامیوں پر نااہل اعزا و اقرباء کا تقرر کر دیا جائے۔ حالانکہ اس فن کے ماہرین بیروزگار موجود ہوں۔ حکومت کو اس قسم کی تمام نارو ا کارروائیوں کی روک تھام کے لیے قانون سازی کے علاوہ سارے اداروں کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھنی چاہیے۔

(۵) قابلِ محنت بے روزگار افراد کو روزی کمانے کی خاطر حکومت کا شعبۂ محنت ضروری معلومات، مختلف اعداد و شمار اور نئے مواقع فراہم کرنے کی تفصیلی اسکیم بنائے تاکہ بے روزگار اپنی محنت و مشقت سے باعزت زندگی بسر کرسکیں اور بلا وجہ حکومت کی کفالت کے محتاج نہ ہونے پائیں۔ اس اہم کام کے لیے موجودہ دفاترِ روزگار کی تحقیقی اور عملی نقطۂ نگاہ سے مکمل اصلاح کر کے مطلوبہ مقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں اور مسئلۂ بیروزگاری پر بڑی حد تک قابو پایا جاسکتا ہے۔

(۶) یہ عجیب بات ہے کہ عصرِ حاضر میں سرمایہ اور محنت کا چولی دامن کا ساتھ ہونے کے باوجود دونوں میں سخت کشمکش پائی جاتی ہے حالانکہ اس کشمکش میں دونوں کا صریح خسارہ ہی خسارہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر معاملات میں ایک دوسرے کا تعاون پیدا ہو جائے تو فریقین کو فائدہ ہی فائدہ حاصل ہوگا۔ اس بنیادی حقیقت کی بڑی مؤثر تشہیر اور تلقین کی جانی چاہیے۔ علاوہ ازیں اس بات کا بھی اہتمام کیا جائے کہ حکومت کی دعوت پر مختلف مستاجروں اور اجیروں کے نمائندوں کے مشترکہ سالانہ اجلاس ہوتے رہیں تاکہ دونوں فریق اسی جذبۂ تعاون کے ساتھ اور اپنے نفع کی خاطر ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھیں اور کوئی متفقہ

لائحہ عمل بناتے رہیں۔ سرمایہ و محنت میں تصادم کے بجائے تعاون پیدا کرنے کی خاطر اور محنت کاروں کی نمائندگی کے لیے ٹریڈ یونین کے قیام کی اجازت ہونی چاہیے۔

(۷) شعبۂ محنت سے متعلق ساتویں اور آخری تجویز یہ ہے کہ تمام منصفانہ قوانین کو بنانے اور نافذ کرنے کے بعد جو بھی محنت اور سرمایہ کے اختلافات و نزاعات پیدا ہوں ان کے تصفیہ کے لیے ایک ایسی با اختیار مشنری قائم کی جائے جو حقداروں کو ان کے جائز حقوق پورے عدل کے ساتھ اور بہ آسانی و بروقت دلواسکے۔ ایسی مشینری کی اوّلین ذمہ داری یہ ہونی چاہیے کہ وہ کسی فرد پر بھی ظلم کا ایک لمحہ بھی برداشت نہ کرے اور بغیر کسی خوف اور لالچ کے لوگوں کو انصاف پر قائم رہنے کے لیے مجبور کر دے۔ جب تمام محنت کاروں کو ان کا جائز حق مل جائے گا اور ان کے ساتھ پورا پورا انصاف برتا جائے گا تو یقیناً ان مطمئن افراد کی کارکردگی میں اضافہ ہوگا جس کے نتیجہ میں قومی پیداوار بڑھے گی اور مصارفِ پیداوار کم ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورتِ حال میں افراطِ زر جیسا پریشان کن اور پیچیدہ مسئلہ معیشت میں پیدا نہ ہو سکے گا۔

(د) شعبۂ مالیاتِ عامہ، کفالتِ عامہ و رفاہِ عامہ

(۱) اس اہم شعبہ کا اوّلین فریضہ یہ ہوگا کہ ملک کی مالیاتی آمدنی کے لیے بیت المال کا نظامِ زکوٰۃ، صدقات، نفقات و محصولات قائم کر دیا جائے۔ ساتھ ہی شریعت کو مقرر کردہ مالی سزاؤں کو بھی نافذ کر دیا جائے۔ ان تمام متنوع مدات آمدنی کی تفصیل اس سے قبل دی جا چکی ہے۔ یہاں صرف اتنا سمجھنا کافی ہے کہ ضرائب ہنگامی اور وقتی محصول، صرف اس وقت عائد کیا جائے گا جب دوسری شرعی مداتِ آمدنی اجتماعی ضروریات کو پورا نہ کر سکیں اور معاشی ترقی کے لیے مزید رقوم درکار ہوں۔ ضرائب کا اطلاق بھی اس طرح ہونا چاہیے کہ اس کا بیشتر بار دولتمند افراد پر پڑے۔ موجودہ فنی معاشی مسائل کے پیشِ نظر ایک اور ذریعۂ آمدنی پر بھی زیادہ سے زیادہ توجہ دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ بین الاقوامی معاملات، تجارت اور لین دین کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ زرمبادلہ حاصل کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ اگر بہ نظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ اسلامی حکومت کا مجموعی مالیاتی نظام

اور ذرائع آمدنی کا ڈھانچہ ہی کچھ اس طرح کا ہے کہ وہ خود بخود معاشرہ میں افراطِ زر کو روکنے میں ممدّ و معاون ثابت ہوگا۔ اس ایک بنیادی خوبی کی وجہ سے ملک میں معاشی بے اعتدالیوں خصوصاً مہنگائی کی روک تھام بغیر کسی مصنوعی طریقِ کار کے ہو جائے گی۔

(۲) ایسے تمام ناداروں، محتاجوں، معذوروں، بیواؤں، یتامیٰ، بے روزگاروں اور دوسرے ضرورت مندوں کی تفصیلی فہرست بلا تاخیر تیار کی جائے جن کا کوئی کفیل موجود نہ ہو تاکہ ان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی اور کفالت کے لیے وظائف کا باقاعدہ انتظام کیا جا سکے۔ یہ اہم کام ایک مرتبہ شروع کرنے کے بعد سال بہ سال ہی نہیں بلکہ ہر روز مسلسل ہوتے رہنا چاہیے۔ اس طرح وظائف پانے والے افراد کی فہرست میں کسی وقت کمی بھی ہو سکتی ہے اور اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ مالیاتِ عامہ کے شعبہ کو کفالت کا کام ہر صورت میں انجام دینا چاہیے۔ کفالتِ عامہ کی تنظیم کے ساتھ ساتھ رفاہِ عامہ کے کاموں کا نظم و نسق نہ صرف یہ کہ برقرار رہے گا بلکہ اس کے دائرۂ کار کو مزید وسیع اور بہتر بنانا چاہیے۔

(۳) ملکی معیشت سے سود کو جو کہ معاشی فساد و استحصال کی جڑ ہے سرے سے بے دخل کر دیا جائے۔ سود کو دو مرحلوں میں ختم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے مرحلہ میں اندرونِ ملک ممنوع کر دیا جائے اور دوسرے مرحلہ میں بین الاقوامی لین دین کو کم سے کم اس لعنت سے نجات حاصل کی جائے۔ بلاشبہ عبوری دور میں بین الاقوامی معاہدات کی پابندی کرنے کے لیے سود کو اضطراراً برداشت کرنا ہوگا۔ البتہ اس بات کی لگاتار کوشش ضرور ہونی چاہیے کہ ملک کی بیشتر ضروریات اندرونِ ملک کے وسائل سے ہی پوری ہو جائیں۔ اس کے باوجود اگر کسی بیرونی مدد کی حاجت ہو تو اس کو مبادلۂ جنس کے ذریعہ پورا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ بین الاقوامی سطح پر سود کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہونے پائے۔ سود سے بچنے کے لیے یہ شکل قطعی قابلِ عمل ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ شعبۂ مالیات کے کارکنان دن رات محنت کرتے رہیں اور متبادل صورتیں حتی الامکان اختیار کرتے رہیں۔ اس سلسلہ میں سود ختم کرنے کے لیے جو بھی طویل المعیاد منصوبہ بنایا جائے گا اس کے اختتام تک غیر سودی معیشت کی افادیت دوسرے ممالک بھی دیکھ چکے ہوں گے اور اس لیے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ مستقبل میں وہ تمام ممالک اپنے تجارتی

تعلقات برقرار رکھنے کے لیے سُودی معاملات سے دست بردار ہو جائیں گے۔ سُود ختم کرنے کا ایک اور عظیم فائدہ بھی حاصل ہوگا اور وہ یہ کہ عوامی دولت میں بے پناہ اضافہ ہوگا۔ یہ اس طرح کہ حکومت زرِمبادلہ کے قرضہ جات کو اصول مضاربت (شرکتِ منافع) پر ملک کے صنعتکاروں اور تاجروں کو دے گی جس سے بہت بڑی مقدار میں منافع قومی خزانہ میں جمع ہوتا رہے گا کون نہیں جانتا کہ اس صنعتی دور میں زرِمبادلہ کے بغیر چارہ کار نہیں۔ یہ سب زرِمبادلہ کا ہی کرشمہ ہے کہ آجکل کے صنعتی ادارے دیکھتے ہی دیکھتے کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور کتنے عظیم الشان پیمانہ پر منافع کما رہے ہیں۔ چونکہ زرِمبادلہ قومی دولت ہے اس لیے اس سے استعمال شدہ منافع پر بھی قوم کا حق ہے۔ اصول مضاربت پر زرِمبادلہ کی سرمایہ کاری قرضداروں کا نقصان کیے بغیر ملت کو اس کا جائز حق دلوا سکتی ہے۔ اہل صنعت و تجارت حسب معمول منافع کماتے رہیں گے۔ فرق صرف اتنا پڑے گا کہ وہ آئندہ سُود کی معمولی مقررہ رقم ادا کرنے کے بجائے اپنے غیر معمولی منافع کا ایک حصہ قوم کو واپس لوٹاتے رہیں گے

(۴) مرکزی بنک نہ صرف یہ کہ سُود کی برائیوں سے پاک کیا جائے بلکہ اس کی تمام پالیسیوں اور اسکیموں میں بھی اسی مناسبت سے موثر ترامیم کی جائیں، خواہ وہ کریڈٹ پالیسی ہو یا مالی پالیسی، توازنِ ادائگی کی اسکیم ہو یا زرمبادلہ کا کنٹرول، سونے کے ذخائر کا حصول ہو یا نوٹوں کے چھاپنے کا انتظام اور گردشِ زر کا مسئلہ ہو یا افراطِ زر کا۔ مرکزی بنک کے پورے نظام العمل کا واحد مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ سود کی تباہ کاریوں کا آہستہ آہستہ مداوا کرے اور ملک میں اقتصادی خوشحالی کو زیادہ سے زیادہ عام کرے اس سلسلہ میں مرکزی بنک کے موجودہ محکمۂ تحقیق و تفتیش کی ذمہ داریاں کئی گنی بڑھ جائیں گی لہذا اس کے لیے ملک کے بہترین دماغ اور ماہرین کا بھرپور عملی تعاون حاصل کیا جانا چاہیے۔ ضرورت پڑنے پر مرکزی بنک کے دوسرے محکموں میں بھی مناسب و معقول ردوبدل کیا جاسکتا ہے۔ مختصراً یہ کہ مرکزی بنک کے نظام کی از سر نو ترتیب و تنظیم کا کام اول روز سے شروع کر دینا چاہیے۔

(۵) ملک کے تمام بنکوں اور سرمایہ کاری کے موجودہ اداروں کو بھی قائم رکھتے ہوئے اصول

مضاربت پر منظم کرایا جائے اور اس کی پابندی مناسب موقع پر غیر ملکی بینکوں سے بھی کرائی جائے۔ اصولِ مضاربت پر بینکاری کی تنظیم نو کی وجہ سے ملک کے اندر سرمایہ کاری میں خاطر خواہ اضافہ ہونا یقینی ہے۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ پہلی یہ کہ جن افراد کے پاس اپنی پس انداز کی ہوئی دولت ہو گی وہ اس پر سال بہ سال زکوٰۃ ادا کر کے اپنے سرمایہ کو مسلسل کم کرنے کے بجائے اس کو سرمایہ کاری کے ذریعہ برابر بڑھانے کو ترجیح دیں گے۔ یہ ایک نفسیاتی بات ہے کہ اگر آدمی کو اپنی جمع شدہ پونجی کا کوئی حصّہ قانوناً حکومت کے حوالہ کرنا پڑے تو وہ اس مقررہ حصّہ کی ادائیگی سے قبل اپنی کُل پونجی سے مزید دولت کمانے کی کوشش کرے گا۔ یوں سرمایہ کاری کا ایک لامتناہی سلسلہ چلتا رہے گا۔ سرمایہ کاری میں اضافہ کی دوسری وجہ یہ ہو گی کہ جب معاشرہ کے تمام افراد کو یہ ضمانت مل جائے گی کہ ان کے بعد ان کے کنبوں کی کفالت کا خود کار انتظام اپنی بہترین شکل میں موجود ہے تو وہ سب لوگ فکرِ فردا سے بالکل بے نیاز ہو کر سرمایہ کاری کے لیے اپنا سارا پس انداز کیا ہوا اثاثہ زر لگا دیں گے۔ سرمایہ کاری میں اضافہ کا یہ وہ فطری طریقِ کار ہو گا جس کے باعث گوناگوں فوائد حاصل ہوں گے۔ اوّل یہ کہ روزگار میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے گا جس سے بیروزگاری آپ سے آپ ختم ہو جائے گی۔ دوسرے یہ کہ مجموعی قومی پیداوار اور قومی دولت و آمدنی میں اضافہ ہو گا۔ اور ملک بڑی حد تک خود کفیل بن جائے گا۔ تیسرے یہ کہ برآمدات خود بخود بڑھتی جائیں گی اور درآمدات کم سے کم سطح پر آجائیں گی جس کے نتیجہ میں سب سے بڑا فائدہ زرمبادلہ میں اضافہ کی شکل میں ظاہر ہو گا۔ ان تینوں سود مند عوامل کا بالآخر ماحصل یہ ہو گا کہ ملک کے عام باشندوں کی معاشی خوشحالی اور معیارِ زندگی میں بہت معقول ترقی ہو گی۔ یہ ہیں وہ عظیم فوائد جن کے لیے دنیا میں دوسرے نظام طرح طرح کے مصنوعی اور غیر فطری حربے استعمال کرتے ہیں مگر پھر بھی نتیجہ دردسری کے سوا کچھ بھی نہیں نکلتا۔ اس کے برعکس اسلامی نظامِ مالیات میں لوگوں کو یہ سارے فوائد آپ سے آپ حاصل ہوتے رہیں گے۔

(۶) انشورنس کے ملک گیر کاروبار کو بھی سود و قمار سے پاک کر کے امدادِ باہمی کی بنیاد پر منظم کیا جانا چاہیے۔ یہ اسکیم بھی انتہائی قابلِ عمل ہے، اس لیے کہ لوگ خود ہی باہمی اشتراک اور ایک طے شدہ تناسب سے اپنا مشترک فنڈ بہ آسانی قائم کر سکتے ہیں جو بوقتِ ضرورت ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنے

کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ پھر یہ کہ تجربات کی روشنی میں فنڈ کے ممبران کی ضروریات کا سال بہ سال تخمینہ لگایا جا سکتا ہے اور فنڈ کا زائد از ضرورت حصہ اصولِ مضاربت پر براہِ راست یا بنکوں کے ذریعہ صنعت و تجارت میں لگایا جا سکتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ امداد باہمی کا فنڈ ہمیشہ پھلتا پھولتا رہے گا اور اس کے ممبران کو مختلف سہولتیں میسّر ہوتی رہیں گی۔ اس مجوزہ اسکیم کے تحت دو اور ضمنی فوائد حاصل ہونگے۔ پہلا یہ کہ بڑے سرمایہ داروں کی موجودہ انشورنس کے ذریعہ لوٹ کھسوٹ سے عوام کو نجات مل سکے گی اور دوسرا یہ کہ حکومت کے نظام کفالتِ عامہ کا بوجھ کسی حد تک ہلکا ہو جائے گا۔ اس طرح حکومت اپنی بجٹ کی رقم کو کچھ نئے رفاہی کاموں پر صرف کرنے کے قابل ہو سکے گی۔ ظاہر ہے ان تمام مربوط عوامل کا اثر قومی و معاشی فلاح و بہبودی کی شکل میں نمودار ہوگا۔

(۷) شعبۂ مالیاتِ عامہ کے ضمن میں ساتویں اور آخری تجویز یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام سے ہم آہنگ مشترکہ اور محدود اجتماعی ملکیت کا تدریجی قیام عمل میں لایا جائے۔ قومی انتظام میں چلائے جانے والے اداروں اور ان کے دائرۂ کار کی پوری تفصیل اس سے قبل بیان کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف ایک عملی نکتہ پر زور دینا مقصود ہے اور وہ یہ کہ ملک کے تمام قدرتی ذخائر مثلاً تیل، گیس، لوہا، کوئلہ اور دیگر معدنیات و قیمتی ذخائر کی تلاش و دریافت کو ایک مستقل پلان کے تحت روزِ اوّل سے ہی تیز تر کر دیا جائے۔ اس سے نہ صرف قومی دولت میں بیش بہا اضافہ ہوگا بلکہ ملک معاشی ترقی کی بنیادی ضرورتوں کے لیے زیادہ عرصہ تک دوسروں کا دست نگر نہ رہ سکے گا۔ ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے کہ ملک غیروں کی مدد کا محتاج ہونے کے بجائے اس قابل ہو جائے کہ وہ دوسرے پسماندہ ممالک کی عملاً مدد کر سکے اور بین الاقوامی سطح پر اپنا ایک مقام بنا لے۔

(ھ) شعبۂ رابطۂ معیشت

(۱) اس شعبہ کا اوّلین کام یہ ہونا چاہیے کہ معیشت کے دوسرے چار شعبوں (زراعت، صنعت و تجارت، محنت اور مالیاتِ عامہ) کے ساتھ مستقل ربط و تعلق استوار رکھے تاکہ معیشت کے پانچوں مجوزہ شعبوں میں ہم آہنگی پیدا ہو اور ان سب کی کارکردگی بحسن و خوبی انجام پا سکے۔ اس مقصد کے

لیے بہترین صورت یہ ہے کہ شعبۂ رابطہ کی انتظامیہ سے منسلک ایک رابطہ کونسل کی تشکیل کی جائے جس میں معیشت کے پانچوں شعبوں کے سرکاری نامزد افراد کے ساتھ مخصوص ماہرینِ فن بھی ہوں اور زمینداروں، صنعتکاروں، تاجروں، محنت کاروں اور صارفین کے نمایندے بھی ہوں۔ یہ مستقل مجلسِ مشاورت پارلیمنٹ کے مقرر کردہ مرکزی معاشی ادارے کے رہنما پروگرام کی روشنی میں ایک جامع منصوبہ ترتیب دے اور اس کی منظوری حاصل کرنے کے بعد میدانِ عمل کے مختلف مراحل اور اس کے نشیب و فراز سے برسرِ آزما رہے۔ اس طرح رابطۂ معیشت کا عملِ مسلسل وقتی مسائل کو اپنی مضبوط گرفت میں رکھ سکے گا اور ملک کی پوری معیشت کو عدم استقرار سے محفوظ کرے گا۔ رابطہ کونسل کی یہ ذمہ داری بھی ہونی چاہیے کہ وہ اپنی سہ ماہی رپورٹیں تیار کر کے مرکزی معاشی اداروں کے روبرو پیش کرتی رہے۔

(۲) اسلامی ریاست کی وسیع ذمہ داریوں کے پیشِ نظر اجتماعی معاشی منصوبہ بندی ناگزیر ہے۔ کفالتِ عامہ، اقتصادی ترقی اور تقسیمِ دولت کے بے جا تفاوت کو کم کرنے کی معاشی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے علاوہ ایک اسلامی حکومت کو اپنے افراد کی اخلاقی تربیت، اقامتِ معروف، انسدادِ منکر، دفاعِ سرحدات اور دنیا کے سامنے دعوت الی الخیر کے لیے بھی اپنے آپ کو ہر آن مستعد و فعال رکھنا ہوگا۔ لہٰذا ان تمام اہم امور کی انجام دہی کے لیے وسیع ذرائع و وسائل کا اہتمام ایک سوچے سمجھے منصوبے کے بغیر ناممکن ہے۔ اجتماعی معاشی منصوبہ بندی کے حسبِ ذیل پانچ مقاصد مقرر کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ پیداواری ذرائع و وسائل سے بھرپور استفادہ۔

۲۔ قومی پیداوار اور قومی آمدنی میں اضافہ۔

۳۔ قومی ضروریات اور قومی پیداوار میں مطابقت۔

۴۔ مکمل روزگار کا حصول اور معیارِ زندگی میں اضافہ۔

۵۔ تلاطمِ معیشت یا معاشی اتار چڑھاؤ کے بغیر تیز رفتار معاشی ترقی۔

مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے معاشی منصوبہ بندی کی تفصیلی درجہ بندی حسبِ ذیل پانچ طرح ہو

سے کی جانی چاہییے:

۱۔ نظامِ ترجیحات کا قیام۔

۲۔ ترقیاتی پروگراموں کے لیے مختلف اہداف کا تعین۔

۳۔ لاگت اور مصارف کا حقیقت پسندانہ تخمینہ۔

۴۔ مالیاتی وسائل کا معقول انتظام۔

۵۔ مصارف و مالیات کا تطابق و توازن۔

اجتماعی معاشی منصوبہ بنانے کے بعد اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہر سال تین چیزوں کا تعین بہت ضروری ہے۔ اول یہ کہ رفتارِ کار کا مکمل جائزہ لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ملکی بجٹ کا تفصیلی خاکہ مرتب کیا جائے اور تیسرے یہ کہ درآمد و برآمد کی پالیسی بنائی جائے۔ سالانہ بجٹ کو معاشی منصوبے اور اس کے نکاتِ جائزہ کا عکاس ہونا چاہییے۔ اس سلسلہ میں اتنا اشارہ کافی ہے کہ سالانہ بجٹ میں آمد و خرچ اور طلب و رسد کا توازن اس طرح قائم کیا جائے کہ افراطِ زر یا کساد بازاری کی نوبت نہ آنے پائے اور معیشت غیر معمولی اتار چڑھاؤ کی شکار نہ ہو سکے۔ درآمد و برآمد کی پالیسی اس طرح وضع کی جائے کہ برآمدات بڑھیں اور درآمدات گھٹیں۔ اس کے لیے درآمد ہونے والی اشیائے تعیش قطعی ممنوع قرار دی جا سکتی ہیں۔ اور ضروری اشیائے درآمد کو کم سے کم کرنے کے لیے قومی پیداوار سے متبادل صورتیں اختیار کی جائیں۔ بیرونی توازنِ ادائیگی ایسا ہونا چاہییے کہ زرِ مبادلہ میں سال بہ سال اضافہ ہوتا رہے۔ درآمد و برآمد کی مجوزہ پالیسی میں گھریلو صنعتیں بڑا اہم کردار ادا کر سکتی ہیں لہٰذا ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہییے۔ اس سلسلہ کی آخری بات یہ ہے کہ غیر ملکی نام نہاد ماہرینِ فن کی درآمد پر بھی سختی کے ساتھ کنٹرول کیا جانا چاہییے۔

(۳) معاشی منصوبہ بندی کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ معیشت کے ہر ہر پہلو پر بالکل صحیح اور قابلِ اعتبار اعداد و شمار مہیا کیے جائیں۔ اس بنیادی کام کے لیے موجودہ مرکزی محکمہ شماریات کے طریقِ کار پر نظرِ ثانی کر کے اس کو بڑے پیمانہ پر ٹھیک ٹھیک منظم کیا جائے تاکہ مطلوبہ مقاصد حاصل ہو جائیں۔ کوشش اس بات کی ہونی چاہییے کہ تشکیلِ جدید کے بعد تمام اعداد و شمار کا دار و مدار ظن و تخمینہ پر ہرگز نہ ہو بلکہ وہ صرف حقائق پر مبنی ہوں۔

(۴) شعبہ رابطہ معیشت کا چوتھا اہم کام یہ ہونا چاہییے کہ وہ معیشت کے ہر پہلو سے متعلق پارلیمنٹ اور حکومت کے طے کردہ تمام قوانین کو انتہائی جزئیات و تفصیلات کے ساتھ باقاعدہ مدون کرے اور ان قوانینِ معیشت کی نہایت مؤثر

تشہیر کا انتظام کرے تاکہ باشندگانِ ملک میں سے کوئی بھی اپنی لاعلمی کا اظہار کسی بھی موقع پر نہ کر سکے۔ اس طرح حکومت اور عوام دونوں ہی ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہوئے ان قوانین کی پاسداری و پابندی کرنے کے قابل ہوں گے۔ قوانین و ضوابط کی کسی بھی شق پر اختلاف رائے پیدا ہونے کی صورت میں معاملہ عدالت کے سپرد کر دیا جائے جس کا فیصلہ حتمی قرار پائے گا۔

(۵) شعبہ رابطہ معیشت کا پانچواں اور آخری مگر سب سے اہم فریضہ یہ ہوگا کہ وہ ملت کی معاشی فلاح و بہبود کے سرعتِ حصول کے لیے منظم پیمانہ پر ہمہ جہتی و ہمہ گیر تحقیق و تفتیش اور ایجادات و انکشافات کا بندوبست کرے۔ مختلف و متنوع ادارے قائم کرے اور ملک کے بہترین دماغ اور باصلاحیت افراد کو جمع کر کے تخلیقی قوتوں کو بھرپور طریقے سے بروئے کار لایا جائے۔ اس طریق کار سے ملک و قوم کے سارے ذرائع و وسائل سے پورا پورا استفادہ کیا جا سکے گا۔ طول بیانی سے بچنے کی خاطر یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں لاتعداد خودرو جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں جن پر ریسرچ اور استعمال کا معقول انتظام نہ ہونے کے باعث قوم کو دو بڑے نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں۔ اولاً یہ کہ باصلاحیت اہلِ تحقیق کی تخلیقی قوتیں بالکل ضائع چلی جاتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ نباتاتی قومی دولت نہ صرف یہ کہ برباد ہوتی رہتی ہے بلکہ ملک کو انہی جڑی بوٹیوں سے بنی ہوئی دوائیں وغیرہ باہر سے منگا کر اپنا قیمتی زرمبادلہ صرف کر دینا پڑتا ہے۔ قومی نقصانات کی ایسی بے شمار مثالیں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں جن کا مداوا از حد ضروری ہے۔ ان حالات میں یہ لازم ہے کہ ملک کی افرادی طاقت اور مادی وسائل کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ اس مقصد کے لیے اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں کہ محققین اور موجدین کی ایک پوری فوج کھڑی کر دی جائے تاکہ فلاحِ ملت کا عظیم کام تکمیل پذیر ہو جائے۔

اسلام کے معاشی نظام کے ابتدائی عملی نفاذ کے لیے یہ ہیں وہ شعبہ وار ۴۳ اجمالی نکات اور مجوزہ تدابیر جن میں دعوتِ غور و فکر ہے اور یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر ان نکات پر معیشت کی تعمیر نو کا آغاز کیا جائے تو تاریخ رفتہ رفتہ ایک مرتبہ پھر اپنے آپ کو دہرائے گی۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ ملک میں دولتمند افراد تو ان گنت ہوں گے لیکن مستحقِ زکوٰۃ تلاشِ بسیار کے باوجود کوئی ایک بھی نہ مل سکے گا۔ کاش کہ اہلِ وطن کسی "ازم" کے بھکاری بننے کی بجائے اپنے گدڑی کے لعل کو پہچان جائیں۔ یہ گزارشات اسی جذبہ و مقصد کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں نذر کی گئی ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔